اگر علماء بادشاہ کے کسی فیصلے کے خلاف آواز اٹھاتے تو انھیں جلاوطنی کی سزا دی جاتی۔[۳] اکبر تو مذہبی معاملات میں آخری حجت تسلیم کیا گیا تھا۔بادشاہ ہر قانون سے مستثنٰی تھا۔تمام ہی سیاسی افکاراور ریاست کے فرائض بادشاہ میں مرکوز سمجھے جاتے تھے۔

مغل نظریہ بادشاہت جو ترک منگول نظریہ بادشاہت پر مشتمل تھااس میں فرمانرواایک عام رہنما سے زیادہ اعلیٰ وبرتر سمجھا جاتا تھا۔[۴] بادشاہ کی ہر کاروائی کا آخری فیصلہ کرنے میں سب سے بڑا عنصر طاقت اور مصلحت کے اصول کاہوتا تھا۔یعنی بادشاہت کا مطلب ہوتا تھاطاقت،عام طور پر روزمرہ کی زندگی میں شریعت کو عام قانون سے زیادہ اہمیت نہیں حاصل تھی۔عہد سلطنت کا نظام ملوکیت پر مبنی تھا اور اس عہد کے سلاطین کے سیاسی رجحانات بھی ان کے نظریہ بادشاہت اور انتظام حکومت سے ظاہر ہیں۔سلاطین دہلی کی طرح مغل بادشاہوں نے ہندوستان سے باہرکسی بھی طاقت کوفکری اور عملی اعتبار سے تسلیم نہیں کیا۔ یہ صورت حال عہد بابر سے مغل حکومت کے زوال تک قائم رہی۔[۵] لیکن یہ ضرور ہے کہ مغل نظریہ بادشاہت بھی خدائی نظریہ پر قائم تھا۔ انہوں نے بھی ظل اللہ کا لقب اختیار کیا،لیکن یہ نظریہ بادشاہت جو فر ایزدی پر قائم تھاشاہجہاں تک چلا۔[۶] شاہجہاں کی نظر میں بادشاہت کا مطلب ان لوگوں کی زندگی کوآسان اور آرام دہ بنانا ہے، جوخدا کی امانت اور دولت ہیں۔بادشاہ کو اپنی ساری طاقت کمزوروں کی بہتری اور خدا کے بندوں کے لیے صرف کردینی چاہیے۔[۷] ابو الفضل نے مغل نظریہ بادشاہت کوتفصیل سے یوں بیان کیا ہے کہ:

> ''بادشاہت خدا کا نور درخشاں ہے اور آفتاب کی ضیاء ہے زمانۂ حال کی اصطلاح میں ہم اسے فر ایزدی کہتے ہیں زمانۂ قدیم میں اسے پرعظمت حلقۂ نور کہتے تھے یہ روشنی براہ راست خدا کی جانب سے بادشاہوں کو ودیعت کی جاتی ہے اور انسان اس کو دیکھ کر ان کی بارگاہ میں اپنا سرعقیدت سے خم کردیتا ہے۔''[۸]

شاہجہاں عادل خاں کے نام ایک فرمان میں اپنے آپ کوسایۂ خداوندی قراردیتا ہے''ما کہ سایۂ خدائیم''[۹] ابوالفضل بادشاہ کوفیضانِ خداوندی قراردیتے ہوئے باشاہ کو بہت وسیع اور عالمگیر اوصاف کا حامل دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ''نورِ سلطانی کی بدولت بادشاہ میں بہت سے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں وہ خدا کو حقیقی کارساز سمجھتا ہے۔ بادشاہ نہ توکسی مجرم کی بلند شخصیت سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ وہ کمزوروں کی خواہشات وضروریات کی طرف سے غافل رہتا ہے۔[۱۰] ابوالفضل کا کہنا ہے کہ،بادشاہی خدا کا عطیہ ہے جو اس وقت تک کسی کو ودیعت نہیں کیا جاتا جب تک اس میں ہزاروں

اوصاف جمع نہیں ہوجاتے، ان صفات قدسی میں اولوالعزی، بلندظرفی، ہمہ گیر لیاقت، صبر وتحمل، قابل تعریف ذہانت، فطری جرأت، انصاف، راست بازی، نیک چلنی، جفاکشی، انتہائی غور وخوض کی اہلیت اور عفو و درگذر کی مستحسن عادت بھی شامل ہے۔ [۱۱] ابوالفضل نے بادشاہ کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ اسے مذہبی اختلافات سے بلند و بالا ہونا چاہیے۔ اس طرح ابوالفضل کے مطابق بادشاہ کو مذاہب سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، اسے تقلید کے بجائے تحقیق سے کام لینا چاہئے۔ [۱۲] اس طرح اگر غور کیا جائے تو اسلامی قوانین اور احادیث دونوں حکومت کے لیے بطور ضابطہ باقی نہیں رہتیں۔ مرتبہ بادشاہت کی اہمیت کا اندازہ ہمیں اکبر کے اس خط سے بھی ہوتا ہے جو اس نے شاہ ایران کے نام لکھا تھا۔

''نوع انسانی جو خدا کی مقدس امانت اور خزانہ ہے اسے شفقت و محبت کی نظر سے دیکھنا چاہیے خدا کے رحم و کرم کا فیضان تمام ہی انسانوں کے لیے عام ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ''صلح کل'' کے بہار کے زمانہ کا پھولوں کے باغ میں داخل ہونے کی ہر امکانی کوشش کرے۔ خدائے لم یزل تمام ہی انسانوں کے لیے سر چشمۂ لطف و کرم ہے اس لیے بادشاہوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس اصول کو نظر انداز کردیں'' [۱۳]

اس طرح معیاری بادشاہ ایک عقل مند، روشن خیال، انصاف پرور اور خداترس انسان ہوتا ہے، جو رعایا کے مراتب کا لحاظ رکھتا ہے، وہ اپنے دائرہ کار میں روئے زمین کا اعلیٰ ترین شخص ہوتا ہے۔ بادشاہ کی حیثیت سے اس کے اختیارات مطلق اور ناقابل تقسیم ہوتے ہیں۔ جہانگیر بھی بادشاہت کو عطیہ خداوندی سمجھتا ہے۔ وہ خسرو کی بغاوت اور اس کے حامیوں کے سلسلے میں کہتا ہے کہ:

> ''انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ بادشاہت اور حکمرانی کو کچھ ناقص العقل افراد کی بیکار کوششوں سے طے نہیں کیا جاسکتا، خدائے عادل یہ مرتبۂ عظیم اسی کو مرحمت فرماتا ہے جسے وہ اس مرتبے کا اہل اور سزاوار سمجھتا ہے اور ایسے ہی شخص کو وہ تشریف وتکریم کی خلعت عطا کرتا ہے'' [۱۴]

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں کم سے کم نظریاتی طور پر اپنے آپ کو مسلم بادشاہ سمجھتے ہیں، اور خود کو اسلامی قوانین کی پابندیوں سے آزاد نہیں سمجھتے۔ اس طرح کے خیال کا اظہار انہوں نے مختلف مواقع پر کیا ہے۔ [۱۵] پھر بھی اکبر کے ذریعہ نافذ کیے گیے اصول سیاست اور نظم حکمرانی کو شاہجہاں اور جہانگیر نے اہمیت دی اور اس کی فخر کے ساتھ پیروی کی۔

اورنگ زیب کا نظریہ بادشاہت اپنے آباء و اجداد کے نظریہ بادشاہت سے ضرور مطابقت رکھتا

ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس نے کچھ مذہبی نظریات کو بھی ترجیح دی ہے، اس نے جہاں مغل بادشاہت اور شاہی طور وطریق کو تسلیم کیا، وہیں وہ تو رہ چنگیزی یا فرِ ایزدی کا کہیں قائل نظر نہیں آتا، بلکہ اس کے نظریات قرآن کے سیاسی اصول پر مبنی تھے۔ وہ **اطیعواللہ و اطیعوالرسول و اولی الامر منکم** کو ترجیح دیتا ہے۔ [16] بحیثیت حکمراں دیگر مغل بادشاہوں کی طرح اس کا یقین تھا کہ بادشاہ بنانے کا اختیار اللہ کو حاصل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بادشاہ بناتا ہے۔ ذاتی کوشش سے بادشاہت نہیں مل سکتی۔[17] اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو اس سے قبل کے مغل حکمراں میں پائے جاتے رہے، لیکن ایک خط میں وہ لکھتا ہے کہ:

"جب حشر کے دن میرے گناہوں کا تجزیہ ہوگا تو اس وقت میرے گناہ تمام دنیا کے لوگوں کے گناہ سے زیادہ ہونگے۔" [18]

یہاں وہ اپنے آباء و اجداد کے نظریے سے اس معنیٰ میں مختلف نظر آتا ہے کہ وہ بادشاہ کے انسان کامل ہونے کا منکر ہے۔ یہاں اورنگ زیب اس بات کا قائل ہے کہ ایک بادشاہ بھی غلطی کر سکتا ہے۔ اورنگ زیب کو اپنے بادشاہ ہونے پر فخر نہیں ہے، وہ خدا سے دعا کرتا رہتا ہے کہ "اے خدا مجھے مسکینوں کی طرح زندہ رکھ، مسکینوں کی طرح موت دے، اور مسکینوں ہی کے گروہ میں مجھے اٹھا۔" [19] اورنگ زیب کا یہ نظریہ اسے اپنے پیشروؤں سے ممتاز کرتا ہے۔ اورنگ زیب ایک جگہ لکھتا ہے کہ" بادشاہت بڑے بیٹے کو نہیں مل سکتی بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے" [20] لیکن ایک خط میں اپنے بڑے بیٹے محمد معظم سے مخاطب ہے کہ" در اصل تم ہی میرے ولی عہد ہو اور تمھیں کو میرے بعد بادشاہت ملے گی" [21] لیکن ایک دوسرے خط میں لکھتا ہے کہ" کہیں کسی نا اہل کو بادشاہت نہ مل جائے جس کی وجہ سے نظام حکومت تہہ و بالا اور رعایا تباہ و برباد ہوجائے اور بعد میں ملک ہی تباہ ہوجائے۔" [22] اورنگ زیب مذہبی اور اصول پسند بادشاہ تھا، عام اور نجی زندگی میں قرآنی اصول کو ہی سب سے اہم مانتا تھا۔ بحیثیت بادشاہ اسے یہ پختہ یقین تھا کہ اقتدار اعلیٰ اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ [23] اس کو یہ یقین تھا کہ تمام طرح کی طاقت، شان و شوکت نیز رہنمائی خدا سے ملتی ہے۔ [24] کامیابی و کامرانی کا دار و مدار طاقت پر نہیں بلکہ یہ خدا کا عطیہ ہے۔ [25] اللہ ہی سب کا مالک و محافظ ہے زندگی خدا کا عطیہ ہے، اس لیے اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں اور احکام کے مطابق چلنا چاہیے۔

مذکورہ نظریات پر غور کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اورنگ زیب کے سیاسی نظریات میں بہت زیادہ تضاد ہے۔ اور ایسااس لیے ہے کہ مسلمانوں میں تخت نشینی کا کوئی باقاعدہ اصول نہ تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت نے اپنی جگہ بنا لی تھی۔ جس کی وجہ سے شورائی نظام ختم ہوگیا، اور مسلم علماء ودانشور کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکے، جس کی رہنمائی میں تخت نشینی اور دوسرے حکومت کے مسائل حل ہوسکتے۔ اورنگ زیب کو بھی اپنی راہ بنانی تھی، اس لیے مصلحت اور وقت کے تقاضے کومحسوس کرتے ہوئے اس نے مختلف باتیں کیں۔ ایک طرف وہ **اطیعوالـلـه و اطیعوالرسول و اولی الامر منـکم** کی بات کرتا ہے، دوسری طرف بادشاہ کا لقب اور دوسرے شاہی اشغال کا استعمال اور حفاظت اپنے اجداد کی طرح کرتا رہا۔

اورنگ زیب کا نظریہ بادشاہت اپنے سے پہلے کے مغل بادشاہوں سے متاثر تھا۔ وہ خود اس پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹوں کو بھی اس طرح کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ اورنگ زیب کے رقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ جیسے اورنگ زیب کا یہ خط اپنے بیٹے سلطان محمد اعظم کے نام کہ :

> ''ایک روز سعداللہ خاں شاہجہاں کی خدمت میں دیر سے حاضر ہوئے اعلیٰ حضرت نے سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ ایک بیاض میں چند فقرے نظر آئے تھے انہیں نقل کررہا تھا تاکہ خدمت والا میں عرض کردوں کہ۔ سلطنت کی بنیاد کا قیام انصاف سے ہے۔ ملک اور مال کی زیادتی بہادری اور سخاوت سے ہے۔ عالموں اور فاضلوں کے ساتھ صحبت رکھنا اور جاہلوں سے پرہیز کرنا عقلمندی کا نشان ہے۔ عقیدوں پر عمل کرنا، عیش، مصیبت کی حالت میں مستقل مزاج رہنا، دنیا کے کاموں میں کوتاہی نہ کرنا، تدبیر سے خوش اور تقدیر پر شاکر رہنا، خاندان کے دائمی قیام کی بنیاد یتیموں پر رحم کرنے اور محتاجوں کی حاجت روائی سے گریز نہ کرنے پر ہے، ملکی کام وزراء کے صلاح ومشورہ سے انجام پاتے ہیں اور فتح وکامرانی فقیروں کی دعا سے،اور تندرستی درد مندوں کا درد دور کرنے سے نصیب ہوتی ہے، مجرموں کے گناہ معاف کرکے خدا کی جانب سے رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔''[۲۶]

اورنگ زیب کے اس، خط میں حکمرانی کے تمام اصول موجود ہیں۔ انہیں خطوط پر اس نے اپنی سیاسی زندگی گزارنے کی کوشش بھی کی۔ جب ہم اورنگ زیب کی حکمت عملی کا مطالعہ اس کے رقعات، توقیعات اور احکامات کی روشنی میں کرتے ہیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس نے انصاف، رعایا کی نگہبانی اور ظالموں کو سزادینے کی پالیسی پر عمل کیا۔ اور اس نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ بادشاہت کا مطلب ہے کہ لوگوں کوظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنا، عوام کی سرپرستی کرنا اور عیش وعشرت

کی زندگی سے بچنا چاہیے۔

اورنگ زیب کا نظریہ بادشاہت یہ تھا کہ بادشاہ کو لطف و قہر کے معاملہ میں جادۂ اعتدال پر رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں سے جو بھی زیادہ ہوگا وہی سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔[۲۷] تساہل، عفوِ بیجا اور تغافل نہیں کرنا چاہیے، بادشاہ کو ہرگز فراغت شعاری اور آرام طلبی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ عادت ملک و سلطنت کی تباہی و بربادی کی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے جہاں تک ہو سکے ہمیشہ حرکت کرتے رہنا چاہیے۔[۲۸] اسی طرح اورنگ زیب اپنی بارھویں وصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سلطنت کا عمدہ رکن ملک کی خبریں اور اطلاعات ہیں اور لحظہ بھر کی غفلت سالہائے دراز کی ندامت کا باعث بن جاتی ہے۔ شیواجی کا فرار ہماری غفلت سے ہوا اور آخر عمر تک سرگردانی و پریشانی باقی رہی۔[۲۹] اس طرح اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت کے مطابق بادشاہ کو اپنی سلطنت کے گوشے گوشے سے باخبر رہنا چاہیے اور ہمیشہ حکومت کے کاموں اور مسائل کے حل میں اپنے کو ملوث رکھنا چاہیے، تاکہ مسائل حل ہوتے رہیں،اور رعایا آرام سے رہ سکے۔ اور اگر کوئی بادشاہ ان اصولوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو وہ حکمراں نہیں رہ سکتا۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت میں عملی پہلو بہت حاوی نظر آتا ہے۔[۳۰] اورنگ زیب کے مذہبی عقائد اور انتظامی امور سے متعلق اس کی حکمتِ عملی بہت حد تک واضح ہے۔ وہ انتظامی امور میں کسی طرح کی جانب داری کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا یہ نظریہ تھا کہ دنیا کے کاموں میں مذہب کا واسطہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اور امور انتظامی میں تعصب کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے "لکم دینکم و لی الدین"۔[۳۱] ایک مرتبہ محمد امین خاںؔ نے اورنگ زیب کو درخواست لکھی کہ:

> "بخشی گری کی دونو کریاں ہیں، اور ان دونوں پر بد مذہب ایرانی مقرر ہیں،اگر ایک بخشی گری کی ملازمت مجھے مرحمت فرمائی جائے تو دین کی تقویت کا باعث بھی ہوگا، اور ایک سنی فرقہ کا آدمی ملازم ہوجائے گا"۔[۳۲]

اس پر اورنگ زیب نے لکھا کہ دنیاوی اور انتظامی امور میں مذہبی و مسلکی تعصب بے معنی ہے، اگر یہی قاعدہ مقرر ہوتا تو پھر تمام راجاؤں اور ان کے متعلقین کو ہم موقوف کردیتے،لائق لوگوں کی تبدیلی عقلمندوں کے نزدیک مذموم بات ہے۔[۳۳] اسی طرح مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد اورنگ زیب کے ایک مقرر کردہ افسر محرم خاں نے غیر مسلموں کو غیر معتبر اور دشمن بتاتے ہوئے انہیں اعلیٰ عہدوں سے ہٹادینے کی درخواست اورنگ زیب کو بھیجی۔ اورنگ زیب نے جواب لکھا کہ حکومت کے

امور کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر تمہارا مشورہ قبول کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوا جائے تو میرے لیے یہ فرض ہوجائے گا کہ میں تمام ہندو راجاؤں اور ان کے ماتحتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں، میں یہ کام نہیں کرسکتا، ان افسران کو عہدہ سے معزول کرنے کی حمایت سمجھ دار لوگ کبھی نہیں کرتے۔ ۳۴ اسی طرح روح اللہ خاں دوئم نے جس کا نام میر حسن بھی تھا عرضی بھیجی کہ '' قلعہ '' اسلام پوری'' نا محکم ہے اور ورود شاہی نزدیک ہے اس لیے مرمت ضروری ہے، اس بارے میں جو حکم ہو کیا جائے۔'' اورنگ زیب نے اس پر فرمایا کہ ''استغفراللہ، نامحکمی کے مقام پر اسلام پوری کا لفظ لکھنا بے موقع تھا۔ اس کا اصلی نام برہم پوری ہے۔ یہی لکھنا چاہیے بدن کا قلعہ اس سے زیادہ نامحکم ہے اس کا کیا علاج ہے''۔۳۵ مذکورہ نظریات پر غور کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب نے حکومت کی تمام رعایا کے مذہب و عقائد کا خیال رکھا اور سیکولر روایات کے فروغ میں برابر کو شاں رہا۔

اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں جہاں شریعت، مذہب و عقائد کا خیال رکھا وہیں وہ شاہی شان و شوکت و رعب داب سے غافل نہیں رہا۔ ایک حکمراں کی حیثیت سے وہ مسند شاہی کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ محمد اعظم شاہ دربار میں کچھ عرض کر رہا تھا اور جب اپنے حسب منشاء جواب نہ پایا تو کسی قدر ملول ہوکر آگے قدم بڑھایا یہاں تک کہ مسند شاہی پر پاؤں رکھ دیا۔ اورنگ زیب نے اس بات پر مکدر ہوکر پردۂ عدالت گرادیا، اور دربار برخواست کردیا، ساتھ ہی شہزادہ کا مجرا بند کردیا، کسی کو اس معاملہ میں سفارش کی ہمت نہ تھی۔۳۶ شاہ سلیم اللہ نے عرض کیا کہ شہزادے کا آگے قدم بڑھانا جرآت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ ازراہ غفلت ایسا ہوا "**من عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ**" اس آیت کے نیچے بادشاہ نے تحریر فرمایا۔

از ساحل نجات بہ بحر فنا فتاد　　　　از حد خود کسی کہ قدم پیشتر گذاشت ۳۷

" سلامتی کے کنارے سے موت کے سمندر میں وہ شخص گر پڑتا ہے جو اپنی حد سے باہر قدم رکھتا ہے"

اسی طرح اورنگ زیب شاہی اشغال کی بھی پیروی اور حفاظت پورے طور سے کرتا نظر آتا ہے۔

'' ایک مرتبہ محمد معظم نے کابل کی جامع مسجد میں قنات لگواکر نماز کی سنتیں ادا کیں تو اس پر اورنگ زیب نے تحریر فرمایا کہ حقیقتاً خوف و بزدلی سے جو اس فطرت میں داخل ہے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے لیکن اس بزدلی کے ساتھ کچھ ہمارا بھی خوف ہونا چاہیے یہ کام تو صرف سلطنت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی مسجد میں قنات لگوا کر نماز پڑھنا تو بادشاہ کے اشغال میں شامل ہے، اس کی جرآت

تم نے کیسے کی''۔ ۳۸

اسی طرح محمد معظم نے ایک بار سرہند کے چکلہ سے روانگی کے وقت ایک میدان میں دو مست ہاتھیوں کی لڑائی کرائی، اس پر بھی اورنگ زیب نے لکھا کہ ہاتھیوں کی جنگ شاہانہ اشغال ہیں۔ اس نے ایسا کیوں کیا ؟ ۳۹ ان مثالوں سے واضح ہورہا ہے کہ شاہی اشغال کی حفاظت میں اورنگ زیب پوری طرح احتیاط کررہا ہے، اور اشغال شاہی کے معاملے میں شریعت کا خیال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مسجد میں کوئی خاص جگہ کسی بھی انسان کے لیے مخصوص نہیں ہے، اور نہ ہی کسی معاملے میں کسی طرح کے امتیاز کی شریعت میں اجازت ہے۔

اورنگ زیب نے نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ لوگ اپنے فرائض کے انجام دینے میں سنجیدگی اختیار کریں۔ چنانچہ اپنے لڑکے سلطان محمد اعظم شاہ بہادر کو لکھتا ہے کہ :

'' اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرو، خصوصاً ریاست کے حقوق ادا کرنے کو، جو شریعت اور عام قانون کی بناء پر واجب ہیں، سب کاموں پر مقدم سمجھنا چاہیے''۔ ۴۰

اورنگ زیب حکومت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود اپنے عہد کے علماء و قاضی سے غافل نہیں رہتا تھا۔ سلطان محمد اعظم کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ :

''قاضی عبداللہ کا انتقال ہوگیا ہے اس نے اپنے فرائض کی بجا آوری سے ہمیں اور خلقِ خدا کو خوش رکھا تھا۔ ہمیں اس کے بیٹوں کا کچھ حال معلوم نہیں اس کا بڑا بیٹا عبدالمجید خاں کچھ مدت تک تمہاری فوج کے ہمراہ قاضی رہا ہے، اگر اس میں فضیلت، بے غرضی اور نیکی کا جو ہر ہو تو مجھے لکھو، قضا سے زیادہ اہم معاملہ اور کوئی نہیں''۔ ۴۱

اورنگ زیب کی حکمت عملی اور نظریہ بادشاہت نیز انتظامی امور سے متعلق مواد اس کے خطوط میں جا بجا ملتے ہیں۔ جیسے اورنگ زیب کا نظریہ بادشاہت اس خط سے بھی واضح ہے جو اس نے اسد خاں کو لکھے۔ اورنگ زیب لکھتا ہے کہ :

''تمہاری درخواست کے مطابق جو عتیق اللہ بحال ہوا ہے اس میں بہت سی شرطیں ہیں جیسے وہ ہر سال پرگنہ کی آمدنی میں اضافہ کرے، کسی شخص پر ظلم نہ کیا جائے اور کوئی گاؤں ویران نہ ہو، اپنی فوجداری کی حدود کو چوروں سے اس طرح پاک اور پر امن بنائے کہ مسافر، آنے جانے والے سوداگر اور بیوپاری کی آمد و رفت جاری رکھیں اگر یہ شرائط اسے منظور ہوں اور ان پر عمل کیا جاسکے تو عہد نامہ لکھ دے ورنہ نہیں''۔ ۴۲

اپنی اس بات کو مزید مؤثر بنانے کے لیے اورنگ زیب تاریخ اسلام خصوصاً خلافت راشدہ کے اہم مدبر اور منتظم خلیفہ عمرؓ کی مثال پیش کرتا ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں جس کسی کو نواحی علاقوں کا سردار مقرر کرتے تھے اس سے چند چیزوں کا عہد نامہ لیتے تھے۔ جیسے، دروازے پر دربان مقرر نہ کرے تاکہ لوگ بے تکلف اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کر سکیں، اپنا وقت خدا اور خلق خدا کے کاموں میں گزارے، سواری سے کام نہ لے، اپنے یا اپنے لڑکوں کے لیے شاہی خزانے سے کوئی چیز نہ لے، کما کر حلال طریقے سے روٹی کھائے اور کسی وقت بڑھاپے اور بیماری کے باعث خود نہ کما سکے تو مومنوں کے مشورے سے ایک درم سے تین درم تک لے لے، اس سے زیادہ جائز نہ رکھے، عدل وانصاف سے کام لے اور مقدموں کا فیصلہ کرنے میں قبیلہ داری اور دوستی کی رعایت روا نہ رکھے۔[۴۳]

اس طرح اورنگ زیب کی یہ کوشش تھی کہ حکومت کے تمام اراکین سچائی، اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیں اور کسی طرح کا تعصب و طرفداری کو بڑھاوا نہ ملنے پائے۔ حکومت کس طرح کی جائے اس کی حکمت عملی بتاتے ہوئے اورنگ زیب سلطان محمد اعظم کو لکھتا ہے کہ:

"جس کسی کو کوئی ملازمت دیں، تو پوشیدہ طور پر اس کے حالات کی تحقیق کرنی چاہیے کیونکہ اہل دنیا شروع میں عمدہ خدمات انجام دیکر حاکموں کو فریفتہ کرلیتے ہیں اور پھر نفسانی خواہشوں سے کام لیتے ہیں، بدنی بیماریوں کا علاج تو طبیب کرسکتے ہیں لیکن غرض کے بیماروں کی دوا خدا ہی کرسکتا ہے"۔[۴۴]

اورنگ زیب کے کچھ حکم نامے ایسے ملتے ہیں جس سے شریعت کی پیروی ثابت ہوتی ہے اور یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جا بجا حدود شرعی کی پابندی بھی کرتا تھا۔ جب خان فیروز جنگ نے بر سر دربار ایک شخص عاقل خاں کو رہزنی کے جرم میں قتل کردیا تو اس پر اورنگ زیب نے لکھا کہ:

"اس نے بغیر کسی دلیل شرعی کے قتل کیا ہے جب اس کے وارث ہمارے پاس آئیں گے اور خون بہا قبول نہ کریں گے تو اس عاجز (اورنگ زیب) کے لیے سوائے حکم قصاص کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا کیونکہ حدود شرعی کے اندر رحم کرنا کلام پاک سے منع ہے"۔[۴۵]

قرآن وسنت کی رو سے قصاص جائز ہے اس لیے اورنگ زیب نے اس پر زور دینے کی کوشش کی،وہ شریعت کو حتی الامکان نافذ کرنے اور اسے عمل میں لانے کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ ہی میں اورنگ زیب نے شریعت کے حکم کے مطابق ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی عبادتگاہوں کا احترام کیا۔[۴۶] اس نے ایک قانون بنایا کہ کوئی پرانا مندر منہدم یا

مسمار نہ کیا جائے نئے مندروں کی تعمیر پر تو اس نے پابندی لگائی لیکن پرانے مندروں کی مرمت کی نہ صرف اجازت دی بلکہ انہیں اس مقصد کے لیے مالی امداد بھی دی۔[۴۷] مندروں کی نسبت اورنگ زیب کا یہ اصول کوئی نیا نہیں تھا بلکہ یہ اصول پہلے سے چلا آرہا تھا۔ اورنگ زیب نے جہاں شریعت کا خیال رکھا وہیں اس نے بدعات کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔ ایک خط میں اورنگ زیب لکھتا ہے کہ ''فدوی مخلص، رات جو فقیر آیا تھا وہ علم سے بہرہ تھا اور خشک زاہد معلوم ہوتا تھا۔ شاید اس میں بھی مکروفریب ہو اس کی اکثر باتیں اور کام جن میں سے ایک نذروں کا رد کردینا ہے شریعت کے خلاف ہے''۔ [۴۸] خلیفہ وقت بادشاہی خزانے کا امانت دار ہے۔ جو کچھ وہ کسی کو دے اس پر حلال ہے۔ اور اگر وہ اس محصول میں سے جو اس نے علماء دین کے فتوؤں اور ملک وسلطنت کے شریک امراء کے مشورے سے اپنے لیے پسند کرکے اسے اپنا خاص خرچ قرار دیا ہو، کسی کو کچھ دے تو وہ بھی حلال ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ وہ بے سروسامان ہو۔ [۴۹] اس کو حرام کس طرح کہہ سکتے ہیں اس کی وجہ پوچھو اور اگر وہ معقول جواب دے تو اطلاع دو تاکہ یہ نفس کا بندہ بھی سمجھ جائے ورنہ ایسے بدعتی لوگوں کو جو خود بخود ہی ایسی باتیں وضع کرکے شریعت سے منسوب کرتے ہیں تنبیہ کرنی چاہیے۔ [۵۰] اورنگ زیب مزید لکھتا ہے کہ سلطان محمود، سست مذہب اور بدعتی لوگوں کو مجلس میں نہیں آنے دیتے تھے۔ بلکہ اپنی سلطنت میں بھی نہیں داخل ہونے دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگ ان کو فقیروں کی صورت میں دیکھ کر گمراہ نہ ہوں اور انہیں بھی گمراہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔[۵۱] اورنگ زیب بدعت اور گمراہی سے بچنے کی تدبیر بھی کرتا ہے نیز اللہ سے دعا بھی کرتا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔[۵۲] ایک خط میں اورنگ زیب لکھتا ہے کہ ''مدعی کو قید کرنا تو شریعت کے خلاف ہے اس کو اس پابند (اورنگ زیب) کے ہاتھ سے رہائی دلانا اور قاضی القضاہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور کسی کو افسوس ورنج نہ ہو''۔ [۵۳]

اورنگ زیب جابجا شریعت کی باتیں کرتا ہے لیکن بعض معاملات میں وہ خود اس کی پیروی نہیں کرتا جیسے سلیمان شکوہ کا قتل، اور ۱۶۷۰ء میں تیرتھ یاترا ٹیکس کا نفاذ، جس کا تعلق شریعت سے نہیں ہے۔ اسی طرح احکام عالمگیری میں مرزا تفاخر کا واقعہ جس میں اورنگ زیب شریعت کی پابندی نہیں کررہا ہے۔ مرزا تفاخر نے دارالخلافت میں اوباشی کو اپنا شیوہ بنا کر لوگوں کے مال اور عزت وآبرو پر ظلم کا ہاتھ دراز کیا، وہ بازار میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بقال اور شیرینی فروش وغیرہ کی دکانیں لوٹتا

تھا۔ ۵۴ ہندو عورتوں کو جو دریا پر اشنان کرنے جاتی تھیں اپنے آدمیوں سے پکڑواکرطرح طرح کی فضیحت اور بے شرمی کرتا تھا۔ ۵۵ گھنشیام بکسریہ ۵۶ ایک بار اپنی بیوی کے ساتھ مرزا تفاخر کے دروازے کے سامنے سے گزررہا تھا۔ مرزا تفاخر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر گھنشیام کی بیوی کو اپنے گھر لے گیا، اس میں دونفرقتل ہوئے اور چھ نفر زخمی ہوئے۔ جب یہ خبر بادشاہی توپ خانہ کے آدمیوں کو پہنچی تو انہوں نے مرزا تفاخر کے گھرپر احتجاج کرنا چاہا۔عاقل خان نے کوتوال کو بھیج کر روک دیااور اپنے خواجہ سرا کو جمدۃ الملک کی بیٹی اور مرزا تفاخر کی ماں قمرالنساء بیگم کے پاس بھیج کربہت ڈانٹ ڈپٹ کی، چنانچہ اس بیچاری ہندو عورت کو آبرو ریزی اور بے عزتی کے بعدخواجہ سرا کے حوالے کردیا گیا، اور توپ خانہ کے ملازموں کوتسلی دی گئی کہ حضور کی طرف سے اس کا تدارک ہوگا۔ ۵۷ اس طرح فوری فسادتو ختم ہوگیا،لیکن اورنگ زیب کے حکم سے عاقل خان ۵۸ کولکھا گیا کہ اس ابتر نابکار رئیس اشرار (مرزا تفاخر)کو قلعہ لے جاکر قید کردیں، اور اس کی والدہ شدت محبت کے سبب جو بیٹے کے ساتھ ہے اس سے جدائی اختیار نہ کرسکیں تو، ناظر کوحکم دے دیا جائے کہ قمرالنساء بیگم کوچندرول میں نہایت احترام سے لے جاکرقلعہ لے جایا جائے اور ان کے بیٹے کے ساتھ رکھاجائے، اور عاقل خان قمرالنساء کو لائق رہائش مکان دیں۔ ۵۹ جمدۃ الملک نے اسی وقت حکم کے مطابق لکھا کہ:

> ''برادر مشفق مہربان میں اس محبت کے پیش نظر جو ہمارے درمیان اعلیٰ حضرت (شاہجہاں)کے عہد سے ہے مجھے آپ سے توقع ہے کہ تفاخر فاجر سے آپ چچا بھتیجے کی نسبت رکھیں گے اگر خواجہ سرا کو بھیج کر اسے اپنے حضور طلب کرکے پچاس چوب خاردار اسے ماریں تو آپ کے اس بھائی کے محبت بھرے دل کوتسکین و آرام پہنچے گا۔لکڑی کے کانٹے اس محبت بھرے دل سے کانٹوں کو نکال دیں گے۔'' ۶۰

بادشاہ اورنگ زیب نے اس خط کے مطالعہ کے بعد تحریر فرمایا کہ:

> ''میرے خالہ زاد بہن کے لڑکے کودوسرا تنبیہ نہیں کرسکتا۔ اگر میری زندگی باقی ہے اور موت مہلت دیتی ہے کہ دارالخلافت واپس آؤں تو انشاء اللہ خود اپنے ہاتھ سے تنبیہ کروں گا۔ وہ ہمارے بیٹے کے برابر ہے لیکن فرزند ابتر کا کیا علاج،غلام کو مارنا اس کے آقا کی اہانت ہے۔'' ۶۱

مذکورہ معاملے میں اورنگ زیب شریعت کی کھلی خلاف ورزی کررہا ہے۔ زنا کی سزا کوڑے مارنا ہے جس کی سفارش جمدۃ الملک نے اپنے خط میں بھی کی ہے۔ لیکن اورنگ زیب جس طرح کا رویہ اپنا رہا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک زانی کو سزا دینے میں تاخیر کررہا ہے اور سزا بھی دینا نہیں چاہتا۔ ایسا کیوں ہے ؟ جبکہ وہ خود ایک سیکولر حکمراں، ماہر سیاست داں،

مدبر،لاجواب سپہ سالار، سادہ دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ وہ انصاف کرنے کے دوران کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا تھاخواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔خاص طور پر شہزادوں کے معاملے میں تو اورنگ زیب نے یہ اصول ہی بنالیا تھا کہ اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی یا کسی نے ان کے بارے میں شکایت کی تو وہ انہیں بغیر کسی جانچ کے ہی سزا دیتا تھا۔ عدل وانصاف سے متعلق وہ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے کہ:

''قاضی اور امین کو تحقیقات میں بہت سختی کرنی چاہیے تاکہ مقدے میں انکاراور اقرار کی گنجائش نہ رہے اور مقدمے فیصل کرنے میں ہرگز کوتاہی نہیں ہونی چاہیے اور غالب فریق کے اعتبارکا لحاظ نہیں کرنا چاہیے۔ اس قسم کے آدمی پہلے بھی کم تھے اور اس وقت تو بالکل نایاب ہیں۔'' ۶۲

اس خط میں جو کچھ اورنگ زیب لکھ رہا ہے بالکل اسی کے برعکس مرزا تفاخر کے کیس میں اس نے فیصلہ لیا ہے۔ اورنگ زیب ایک خط میں لکھتا ہے کہ:

''چونکہ ملک خوف وتنبیہ کے بغیر قبضے میں نہیں رہتا اور حکومت سزا اور رعب کے بغیر نہیں ہوسکتی، اس لیے بعض اوقات غلبۂ نفس کی وجہ سے حالات کے مطابق بے اختیار احکام صادرہوجاتے ہیں لیکن میری نیت نیک ہوتی ہے۔'' ۶۳

اورنگ زیب کے اس خط سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے اپنی کوتاہیوں اور اصول کی خلاف ورزی کا شدید احساس تھا۔لیکن مصلحت کوشی اور سیاسی حکمت عملی کے باعث بعض مرتبہ اسے وہی فیصلہ لینا پڑتا تھاجس سے حکومت مستحکم ہوسکے۔

اورنگ زیب ایک مدبر اور بلند پایہ منتظم تھا۔سلطنت میں رونما ہونے والی بدنظمی کا خواہ اس کا مرتکب کوئی شہزادہ ہو، یا کوئی سرکاری افسر، وہ سختی سے محاسبہ کرتا تھا۔وہ اس محاسبہ کو مذہبی، اخلاقی اور سیاسی طور پر ضروری سمجھتا تھا۔انتظامی امور اور اخلاقی اقدار کے باہمی رشتے کو ناگزیر جانتا تھا۔ اور اس رشتے کے ٹوٹ جانے کو حکومت کی بربادی تصور کرتا تھا۔ لیکن وہ سرکاری ملازمین کے ذاتی عقائد کو اپنے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتا تھا۔جیسا کہ محمد امین نے بخشی گری کے دو عہدوں میں سے ایک سنی کو دینے کی سفارش کی تو اسے اورنگ زیب نے قبول نہیں کیا۔ یا اسی طرح مرزا تفاخر کے معاملے میں جمدۃ الملک کے کوڑے لگانے کی سفارش پر بھی اس نے کان نہیں دھرا، بلکہ اس نے اپنی حکومت اور تخت کے استحکام کو اولیت دی۔

گوکہ شریعت کو مغل عہد میں نظریاتی طور پر اہمیت حاصل تھی۔ علماء شرعی قوانین کے ماہر اور

شارح تھے۔ پھر بھی ان کو کبھی بھی ریاست کی پالیسی میں عمل دخل کی اجازت نہیں دی گئی۔ شیخ احمد سرہندی کے ساتھ جہانگیر کا رویہ اس کی واضح مثال ہے۔ جب اورنگ زیب کے عہد میں مکتوبات امام ربانی کو نصاب تعلیم میں داخل کیا گیااور اورنگ آباد کے مدرسے میں اس کی تدریس ہونے لگی تو اورنگ زیب نے حکم دیا کہ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کو مدارس کے نصاب میں داخل نہ کیا جائے۔ ۶۴ اکبر نے دنیاوی اور روحانی دونوں طرح کی بالادستی کا استعمال اپنے عہد میں کرنا شروع کیا اور محضر تیار کرایا گیا۔ جس پر اس وقت کے اہم علماء نے اپنے دستخط ثبت کیے۔ محضر میں اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ امام عادل کو مجتہدین اور علماء سے اٹھے اختلافی امور میں زیادہ اختیارات ہونگے جونص شرعی کے مخالف نہ ہوں اور عوام کی خوشحالی کا باعث ہوں۔ ۶۵ اس طرح مغل بادشاہ کو ہر امور میں خواہ وہ شرعی ہی کیوں نہ ہوں عمل دخل کا پورااختیار ہوگیا اور علماء کے اختیارات محدود ہوگئے۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کے عہد میں بھی علماء کو ریاست کی پالیسی طے کرنے کی کبھی اجازت نہیں رہی۔ ۶۶ یہ اور بات ہے کہ علماء کے فیصلے ومشورے اسلام کے بنیادی اصول سے متعلق لائق احترام ہوا کرتے تھے۔لیکن جہاں پیچیدہ سیاسی مسائل درپیش ہوتے وہاں بادشاہ کی خواہش اور دربار کے دوسرے مشیروں کی صلاح کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

اورنگ زیب ۱۶۵۸ء میں بادشاہ بنا۔ اس موقع پر مسلم نظریہ بادشاہت کو لے کراورنگ زیب کے بادشاہ بننے پر کچھ سوال اٹھے کہ شاہجہاں زندہ ہے اور اس حالت میں اورنگ زیب کا بادشاہ بننا شریعت کی رو سے جائز نہیں۔ لیکن قاضی عبد الوہاب نے اورنگ زیب کی تخت نشینی کو جائز ٹھہرایا۔ جبکہ مسلم نظریہ سیاست کے مطابق بادشاہ کی زندگی میں بیٹے کی تخت نشینی کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ جب اورنگ زیب نے اپنا دوسرا جشن تاجپوشی منایا اور خطبہ پڑھنے کا سوال اٹھا تواس وقت کے قاضی القضاۃ شیخ الاسلام نے خطبہ پڑھنے سے انکار کردیا،قاضی نے کہا کہ باپ کی موجودگی میں بیٹے کے نام کا خطباء پڑھناشریعت کے خلاف ہے۔ ۶۷ اس چیز نے اورنگ زیب کو پریشانی میں ڈال دیااس کا پورا فائدہ قاضی عبد الوہاب نے اٹھایااور اس نے اورنگ زیب سے اجازت لے کر قاضی القضاۃ اور دوسرے مذہبی رہنماؤں اور علماء کی چالاکی،سازباز اور فقہاء کی رائے کی ترجمانی سے اپنے حق میں متفق کرلیا۔ ۶۸ شیخ عبدالوہاب نے غور فکر اور صلاح ومشورے کے بعد یہ اعلان کیا کہ اعلیٰ حضرت خاقانی ''شاہجہاں'' بہت تیزی کے ساتھ کمزور ہورہے ہیں اور ان کے اندر کام کرنے کی طاقت نہیں رہ

گئی ہے، ریاست کے مختلف شعبوں کے اچھی طرح سے کام ہی ریاست کو چلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، اور بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے ریاست کے کام اور عام لوگوں کی بھلائی کے کام میں رکاوٹیں آرہی ہیں۔ ۶۹ اپنی بیماری اور کمزوری کے باعث شاہجہاں حکمرانی کے لائق نہیں ہے اس لیے ایسے حالات میں اورنگ زیب کے نام کا خطبہ پڑھنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں قاضی عبدالوہاب نے شریعت کے مطابق بہت سی صحیح روایات اس وقت پیش کیں جب کہ بہت سے عالم اور خدا ترس لوگ موجود تھے ان لوگوں نے پورا فیصلہ سنا اور لب کشائی کی جرأت نہیں کی۔ اورنگ زیب نے ان لوگوں کو جھڑکا، اور شیخ کو جمعہ کے دن دلی کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا اس طرح اورنگ زیب نے شیخ الاسلام قاضی القضاۃ کو عہدے سے برطرف کردیا اور عبد الوہاب کو خطبہ پڑھنے کے انعام میں دربار کا قاضی بنایا اور قاضی القضاۃ کا خطاب دیا۔ ۷۰ اس طرح ۲۰راکتوبر ۱۶۶۰ء میں قاضی عبدالوہاب کے خطبے کے بعداورنگ زیب باقاعدہ بادشاہ بنا، لوگوں نے اسے بادشاہ کی شکل میں تسلیم کیا اور تمام لوگوں کی فرمانبرداری اسے حاصل ہوگئی۔ ۷۱ جب اورنگ زیب برہان پور سے داراشکوہ کے مقابلے کے لیے نکلاتو شیخ عبدالوہاب نے فتویٰ جاری کیا کہ شاہجہاں بیماری اور ضعف کے باعث کاروبار سلطنت چلانے سے معذور ہے اس لیے اورنگ زیب کا دارالحکومت پر فوج کشی کا عمل جائز ہے۔ ۷۲

جب اورنگ زیب نے قاضی شیخ الاسلام سے بیجا پور اور گولکنڈہ کی مہم کے جواز میں مسئلہ دریافت کیا تو قاضی نے بادشاہ کی مرضی کے خلاف جواب دیا۔ ۷۳ قاضی شیخ الاسلام نے مسلم ریاستوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے سے انکار کردیا۔ چونکہ قاضی عرصہ سے بیت اللہ کی زیارت کی آرزو رکھتا تھا اس لیے اورنگ زیب کی مرضی کے خلاف فتویٰ دے کر اس نے عہدۂ قضا سے استعفا دے دیا۔ ۷۴ کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اورنگ زیب نے اسے عہدے سے ہٹا دیا، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ اسے ہٹا یا گیا اور وہ حج کے لیے روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد قاضی عبداللہ کا ان کی جگہ پر تقررعمل میں آیا اس نے ایک دن عرض کیا کہ ''ابوالحسن مسلمان ہے۔ اور بادشاہ کے حکم کی اطاعت کرنا چاہتا ہے۔ لڑائی میں ہر روزدونوں طرف سے مسلمانوں کی کثیر تعداد قتل ہورہی ہے۔ اگر بادشاہ ابوالحسن کے قصوروں کو معاف کردیں تو مصالحت کی صورت نکل آئے گی اور شرع کے مطابق مسلمانوں پر یہ رحم بے جا نہیں رہے گا'' اس بے جاعرضداشت پر بادشاہ نے اعتراض کیا اور حکم دیا کہ قاضی کچھ

عرصہ تک اپنے خیمے میں تنقیح قضایا میں مصروف رہے اور مجرا تسلیمات کے لیے دربار میں نہ آئے۔۷۵ قاضی شیخ الاسلام کا گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاست سے متعلق بادشاہ کے حق میں فتویٰ نہ دینا اور قاضی عبداللہ کا ابو الحسن سے متعلق سفارش کرنا، دونوں بادشاہ کو ناگوار لگا اور بادشاہ نے دونوں کو اس عمل کی سزا دی۔ اس طرح مغل عہد میں کوئی بھی عالم خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اگر اس نے بادشاہ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا تو اسے بہت ہی آسانی کے ساتھ عہدے سے ہٹادیا جاتا تھا۔ اس کی مثال ہمیں اکبر اور اورنگ زیب دونوں کے عہد میں ملتی ہے۔ جب اکبر کے خلاف کچھ علماء نے محضر الحاد پر دستخط کیے تو ان میں سے کچھ کو قتل کر دیا گیا اور کچھ کو مغل سلطنت چھوڑ دینے پر مجبور کیا گیا۔۷۶ قاضی خوب اللہ، محمد عاقل، شیخ طیب اور امروہہ کے غلام محمد نے مذہب کے مطابق اورنگ زیب کی معزولی کے فتوے پر مہر ثبت کی تو انہیں کوڑے لگا کر گڑھ بتھیلی کے قلعے میں بھیج دیا گیا۔۷۷

مغل حکمراں علماء کو زیر کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، اور ریاست کے معاملات میں ان کے عمل دخل کو منع کرنے میں کسی طرح کا تکلف نہیں کرتے تھے۔ حکمراں، قاضی اور علماء سے مشکل اوقات میں پیچیدہ سیاسی مسائل میں مشورہ ضرور لیا کرتے تھے لیکن عمل خود اپنے فیصلے پر کیا کرتے تھے۔ اس کی واضح مثال ستارہ کے قلعے پر دھاوا بولنے والوں سے متعلق سزا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس وقت ستارہ کا قلعہ محاصرہ میں تھا ۷۸ تمام آدمیوں میں سے جو قلعہ کے باہر جنگ کرنے نکلے ان میں چار مسلم اور نو عدد ہندو گرفتار ہوئے۔ دربار کے قاضی محمد اکرم کو حکم ہوا کہ مفتیوں کے اتفاق رائے سے اس مسئلہ کی تنقیح کرنے کے بعد بتایا جائے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔۷۹ تحقیق کرنے کے بعد عرض کیا گیا کہ ہندو اگر مسلمان ہوجائیں تو انہیں رہا کر دیا جائے اور مسلمانوں کو تین سال تک قید میں رکھا جائے۔ ۸۰ اورنگ زیب نے تحریر فرمایا کہ :

> ''یہ مسئلہ مذہب حنفیہ کے مطابق ہے۔کسی دوسرے طریقے کے مطابق بھی معلوم کرنا چاہیے تاکہ نظم و ضبط حکومت ہاتھ سے نہ جائے، چاروں مسلک حق پر ہیں اور حال و وقت کے مطابق ہیں، اور علماء نے مسائل مختلفہ میں آسانی کے لیے تحریریں چھوڑی ہیں، اور درست قیاسات کیے ہیں، اس لیے آسانی کی راہ نکالنی چاہیے۔''۸۱

اس تحریر کے بعد قاضیوں اور مفتیوں سے دوسرا مسئلہ ڈھونڈ نکالا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ جو ہندو اور مسلمان بطور بغاوت لڑیں انہیں قتل کردینا چاہیے۔۸۲ اس فیصلے کو اورنگ زیب نے تسلیم کیا ۸۳ اورنگ زیب نے ہمیشہ اولیت اس بات کو دی کہ ایک جیسی غلطی کے لیے مسلم اور غیر

مسلم کے درمیان سزامیں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔واضح رہے کہ فتاویٰ عالمگیری جس کی تدوین اورنگ زیب کے حکم سے عمل میں آئی فقہ حنفی کے مطابق ہے اس کے باوجود مسئلہ کو بخوبی حل کرنے اور حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے فتویٰ پر نظر ثانی کا حکم دیا۔

اورنگ زیب کا نظریہ بادشاہت اور اس کی حکمت عملی اسلامی فقہ کے خلاف تھی، یہاں تک کہ اس کے عہد میں علماء اور قاضی کو ریاست کی پالیسی طے کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہت سے مواقع پراورنگ زیب نے خلفاء راشدین کی روایت پر بھی پیروی نہیں کی۔ اورنگ زیب خود شریعت اور اسلامی قانون کا علم رکھتا تھا اسے کسی قاضی کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کلمات طیبات، احکام عالمگیری اور رقعات عالمگیری میں بعض ایسے حوالے ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے مواقع پر اورنگ زیب نے قاضی کو ہدایت کی ہے۔[۸۴] فتاویٰ عالمگیری میں بادشاہ کی حیثیت اور ریاست کی نوعیت سے متعلق کوئی بحث نہیں ہے۔ جب کہ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور سید میر علی ہمدانی کی ذخیرۃ الملوک میں بادشاہ کی حیثیت و مقام نیز ریاست کی نوعیت سے متعلق بحث ہے۔[۸۵] فتاویٰ عالمگیری میں بادشاہ کی جگہ خلیفہ کی حیثیت اور امام المسلمین کی اہمیت کا ذکر ہے۔[۸۶] اسلام کے سیاسی نظام میں بادشاہت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور جہاں تک اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت کا سوال ہے تو اورنگ زیب کے فرمان اورخطوط میں خلیفہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت میں خلیفہ کی کوئی اہمیت نہیں، جبکہ دہلی سلطنت کے سلاطین خلفاء کو اہمیت دیا کرتے تھے۔[۸۷] اورنگ زیب کے نظریے میں شریعت پر زور ملتا ہے لیکن ساتھ ہی اس سے انحراف بھی، جیسے تخت نشینی کی جنگ۔ مسلم فقہاء اور مسلم مفکرین کے نزدیک ایک بادشاہ کی موجودگی میں جب تک کہ وہ مذہب اسلام کا پیرو ہے تخت نشینی کی جنگ جائز نہیں، اگر ایسا ہوتا ہے تو اسے تخت نشینی کی جنگ کے بجائے بغاوت کا نام دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ اورنگ زیب کے کچھ حکم نامے ایسے ہیں جہاں شریعت کی پیروی پر بہت زیادہ زور نظر آتا ہے، جیسے وہ لکھتا ہے کہ ''اگر میرا کوئی مسئلہ جو شریعت کے خلاف ہو تو اسے واپس کردو تاکہ اسے دوبارہ شریعت کے مطابق جاری کیا جاسکے۔''[۸۸] وہ اہل کاروں کو ہدایت دیتا ہے کہ شریعت کے مطابق مسئلہ کا حل نکالو یا فیصلہ شریعت کے مطابق کرو۔[۸۹] لیکن جہاں خود اپنا مفاد یا سیاسی استحکام رہتا ہے وہاں وہ شریعت کی پابندی نہیں کرتا، جیسے بادشاہ کی زندگی میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا، اور دکن کی ریاستوں پر حملہ کرنا،

وغیرہ۔ کہیں کہیں ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے سیاسی مفاد کے حصول کے لیے شریعت کو استعمال بھی کیا ہے۔ جیسے شاہ کلیم اللہ نے اپنے لڑکے کو اورنگ زیب سے نہ ملنے کی ہدایت کی ہے کیونکہ وہ حکومت کو فقیری سے ملانے میں کوشاں ہے۔[۹۰] اس طرح یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اورنگ زیب کے نظریہ بادشاہت میں شریعت، اور مغل نظریہ بادشاہت دونوں کے عناصر موجود ہیں۔ کبھی وہ شریعت کے مطابق کام کرتا ہے تو کبھی وہ اپنے کو مغل بادشاہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

۱۶۷۰ء میں اورنگ زیب نے تیرتھ یاترا ٹیکس لگایا، اور ۱۶۷۹ء میں دوبارہ جزیہ نافذ کیا۔ اس عمل کو عہد وسطیٰ کے جدید مؤرخین نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ مؤرخین نے اسے شریعت کی اتباع بتایا۔ جزیہ تو ایک شرعی یا اسلامی ٹیکس تسلیم کیا جاتا ہے لیکن تیرتھ یاترا ٹیکس کو شریعت میں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کے ٹیکس کا فقہ کی کسی کتاب میں ذکر ملتا ہے۔ یہاں تک کہ فتاویٰ عالمگیری جس کی تدوین عہد اورنگ زیب میں ہوئی وہ بھی اس مسئلے پر خاموش ہے۔

اورنگ زیب سے متعلق ایک فرمان ''ابواب جمع بود بنا برخلاف شرع معاف بود''[۹۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹیکس جو شریعت کے خلاف تھے ختم کیے گئے۔ اس طرح یہ تعجب ہے کہ تیرتھ یاترا ٹیکس ۱۶۷۰ء میں لگایا گیا بعد میں اسے معاف کردیا گیا۔[۹۲] جہاں تک جزیہ کے دوبارہ نفاذ کی بات ہے تو اسے اورنگ زیب نے نافذ کیا، یہ ہندوؤں سے لیا جانے والا ایک محصول تھا جس کی شریعت میں اجازت ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق مسلم حکومت میں جب غیر مسلم مسلمانوں کی بالادستی اور اقتدار کو تسلیم کر لیتے ہیں تو انہیں ذمی کہا جاتا ہے، اور ایسے موقع پر ذمی کی سماجی، معاشی، مذہبی حفاظت سیاسی نقطۂ نظر سے مسلم حکومت کے ذمہ ہوگی اور اس کے بدلہ میں حکومت ان سے محصول لے گی۔ اسی نقطۂ نظر اور شریعت کے مطابق اورنگ زیب نے ہندوؤں کے تحفظ کی ضمانت لی[۹۳] اور اس کے عوض میں جو محصول لیا گیا وہ جزیہ کہلایا۔ جزیہ کوئی ناگوار چیز نہ تھی بلکہ غیر قوموں کے حق میں رحمت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں نے اس سے ناراضگی ظاہر کی، یہ ظاہر ہے کہ جو محصول ایک مدت سے موقوف ہو چکا تھا اس کا نئے سرے سے قائم کیا جانا کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا۔[۹۴] یہاں ہمارا مقصد جزیہ کے جواز یا عدم جواز، نیز جزیہ کی نوعیت اور اس کے اثرات وغیرہ سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا مقصود ہے کہ جزیہ کے دوبارہ نفاذ میں علماء کہاں تک ذمہ دار ہیں اور کیا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے علماء کی ایک ایسی مذہبی

تنظیم تھی جو خود کو حکومت سے کہیں زیادہ اونچا اور افضل سمجھتی تھی عام طور پر ایسے ہی لوگوں نے ہندومذہب کے خلاف زیادہ آواز اٹھائی۹۵ لیکن اس تنظیم میں سے بھی زیادہ طاقت ور ایک تنظیم اور تھی جس میں ایک سے بڑھ کر ایک با اثر اور اسلام کی پوری معلومات رکھنے والے لوگ تھے۔ اس تنظیم نے مذہب کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم میں کسی طرح کا فرق نہ سمجھتے ہوئے سبھی کو ایک ملک کا باشندہ سمجھا۔ ۹۶ ایسے لوگوں کی وجہ سے اورنگ زیب کے زمانہ میں اہلیت کے مطابق ہندواور مسلم دونوں کو فائدہ پہنچا۔ اورنگ زیب نے جب جزیہ کا نفاذ کیا تو کچھ بنیادی سوالات اٹھائے گئے جیسے تخت نشینی کے ۲۱ سال بعد اورنگ زیب نے دوبارہ جزیہ کیوں نافذ کیا ؟ کیا اس نے شریعت کی اتباع میں ایسا کیا تھا؟ یا پھر غیر مسلموں کو سزا دینے کے لیے ؟ یا معاشی بحران سے نبرد آزما ہونے کے لیے جزیہ نافذ کیا یا اس نے یہ سب کچھ علماء کے دباؤ میں آکر کیا ؟ یہی آخری سوال اصل بحث کا موضوع ہے کہ جزیہ کے نفاذ میں علماء کہاں تک ذمہ دار ہیں۔

ایک ہندو مؤرخ ایشور داس ناگر لکھتا ہے کہ علماء جو بادشاہ کے تقویٰ سے خوب واقف تھے انہوں نے جزیہ کے جواز روئے شریعت لازم ہے عائد کرنے کی طرف بادشاہ کو توجہ دلائی۔بادشاہ نے جزیہ کا عائد کرنا ازروئے شریعت لازم سمجھتے ہوئے عنایت اللہ خاں کو اس کے اہتمام پر مامور فرمایا۔ ۹۷ اسی طرح ساقی مستعد خاں کے مطابق اورنگ زیب نے صوبہ کے دیوان کو ایک فرمان بھیجا جس میں شریعت کے مطابق جزیہ وصول کرنے کی ہدایت تھی۔ ۹۸ خلاصۃ السیاق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ سے متعلق اورنگ زیب اپنی تخت نشینی کے ابتدائی برسوں سے ہی سوچتا رہا، لیکن بعض سیاسی مشکلات کے باعث وہ اسے ٹالتا رہا ۹۹ مرآۃ العالم سے یہ شہادت ملتی ہے کہ بادشاہ کی تمام تر توجہ تقویت دین اور شرع متین کے رواج دینے پر لگی ہوئی تھی اور سلطنت کے تمام معاملات مالی و ملکی شریعت کے مطابق رائج کیے جارہے تھے۔اس لیے ایسے وقت میں علماء، فضلاء اور فقہاء نے بادشاہ کے احساسات اور دین سے اسکے لگاؤ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزیہ وصول کرنے کی درخواست کی ان لوگوں نے معتبر کتب فقہ سے جزیہ کی شرح اور طریق تحصیل سے متعلق کیفیت بھی پیش کی۔ ۱۰۰ اورنگ زیب شریعت کا پیرو تھا اس لیے اس نے ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ ۱۰۱ علی محمد خاں کا بیان ہے کہ جب سے اعلیٰ حضرت اورنگ زیب نے شریعت اور اسلام کو فروغ دینے کا عہد کیا اسی وقت سے تمام چیزوں کو جن سے شریعت کا ٹکراؤ ہوتا تھا رد کر دیا۔ علماء، فقہاء اور مذہبی لوگوں نے

بادشاہ اورنگ زیب سے ملاقات کر کے غیر مسلموں پر جزیہ کے نفاذ کو شریعت کے مطابق ضروری بتایا اور اس کے دوبارہ نفاذ پر زور دیا۔[۱۰۲] علی محمد خاں کا قول ایشورداس اور بختاور خاں سے مطابقت رکھتا ہے یہ تینوں ہی یہ بات کہہ رہے کہ علماء کے مشورے سے جزیہ کا نفاذ ہوا۔ کیا علماء اس کے علاوہ بھی کسی طرح کا مشورہ دینے کی جرأت رکھتے تھے ؟اگر ایسا تھا تو کیوں نہیں درباری علماء نے تخت نشینی کے ابتدائی برسوں میں جزیہ پر زور دیا۔ کیونکہ انہیں ابتدائی برسوں میں علماء کے فتوے پر دارا شکوہ کا قتل ہوا اور شاہجہاں کی زندگی میں اورنگ زیب کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یہ بہت ہی دلچسپ ہے کہ علماء جو کہ اورنگ زیب کے مذہبی احساسات کو جانتے تھے انہوں نے جزیہ کے دوبارہ نفاذ کا مشورہ دیا۔ اگر یہ علماء واقعی شریعت کے پابند تھے تو کیوں نہ انہوں نے اورنگ زیب کو یہ مشورہ دیا کہ شاہجہاں کو قید میں نہ رکھا جائے کیونکہ والدین کے ساتھ کسی بھی طرح کی زیادتی شریعت کے منافی ہے۔

اورنگ زیب نے قلمرو ہندوستان میں مسلمانوں کے مال تجارت پر یکسر محصول کی معافی دے دی۔ چند دن کے بعد دیوانی کے حکام اور علماء و فقہاء کی تجویز پر بادشاہ نے قانون محاصل میں یہ ترمیم کی کہ ہر اس مال پر جس کی قیمت حد نصاب سے متجاوز نہ ہوتی ہو مسلمانوں کے لیے اس کا محصول معاف ہوگا۔ اگر تاجروں کا مال اس حد سے زائد ہو تو اس کا محصول وصول کیا جائے گا، البتہ جو مال اس حد کے تحت آتا ہے اس کا قطعاً محصول وصول نہیں کیا جائے گا۔[۱۰۳] اس قانون کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد دیوانی کے افسروں نے رپورٹ دی کہ مسلمان تاجر محصول سے بچنے کے لیے مال اکٹھا نہیں لاتے بلکہ تھوڑا تھوڑا لاکر فروخت کرتے ہیں اور ہندوؤں کا مال بھی اپنے نام سے لکھا کر محصول بچا لیتے ہیں اس طرح زکوٰۃ کی رقم بھی جو شرعاً عام مخلوق کا حق ہے ضائع ہورہی ہے۔[۱۰۴] اس رپورٹ پر اورنگ زیب نے حکم دیا کہ بدستور سابق شرعی حساب سے مسلمانوں سے ڈھائی روپیہ فی صد زکوٰۃ اور ہندوؤں سے پانچ روپیہ فیصد محصول لیا جائے۔[۱۰۵] اورنگ زیب کے ۳۵ ویں سن جلوس میں نرخوں کے تعین کے سلسلے میں علماء اور فضلاء نے بادشاہ کو سمجھایا کہ تعین نرخ خلاف شرع ہے بیچنے والا اپنے مال کو جس نرخ پر چاہے فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کے مطابق بادشاہ نے تمام شہروں میں تعین نرخ کے قانون کو منسوخ کردیا کہ آج سے کسی پر بھی نرخ کا تعین نہ کیا جائے۔[۱۰۶] تخت نشینی کے گیارہویں سال میں اورنگ زیب نے گلوکاروں کو دربار میں ناچنے گانے سے منع کیا[۱۰۷] کیونکہ اس کے سبب اورنگ زیب کو بحیثیت بشر یکسوئی کا فقدان اور اہل کاروں

کے کام کی رفتار میں کمی کا احساس ہوا، جو عام زاویۂ نگاہ سے غلط ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ بادشاہ کی نظر بھی تمام درباریوں کے مانند ہو۔ گانے اور قوالی جیسے پروگراموں کو غیر شرعی قرار دیا لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے۔احمد آباد کے مشہور صوفی یحییٰ چشتی نے اورنگ زیب کے اس حکم کی مخالفت کی۔۱۰۸ شیخ کی مجلس سماع پر جب محتسب مرزا باقر نے پابندی لگانی چاہی، اور ان کے مریدوں نے اس کی مخالفت کی تو محتسب نے شیخ پر طاقت کا استعمال کرنا چاہا، اور یہ اطلاع اورنگ زیب کو ملی تو اس نے محتسب کو حکم دیا کہ شیخ کو کچھ نہ کہا جائے۔ ۱۰۹ ایک عالم دین نے گانے کی مخالفت کرتے ہوئے اورنگ زیب سے کہا کہ اولیاء کے مزاروں پر ہونے والے گانے بجانے پر فوراً پابندی لگانی چاہیے، کیونکہ اس گانے بجانے کی وجہ مرحوم اولیاء کی ہڈیاں قبر میں بے چین ہوتی ہیں اور قبر سے نکل کر بھاگنا چاہتی ہیں لیکن اس حکم پر عمل نہیں ہوا۔ ایک عالم کو سڑک پر ہونے والے گانے بجانے کو خود روکنا پڑا کیونکہ محتسب نے کوئی کاروائی نہیں کی۔۱۱۰

اورنگ زیب علماء کا قدرداں تھا اور اپنے سیاسی مقاصد کے حصول میں انہیں استعمال بھی کرتا تھا۔ لیکن بعض معاملات میں انہیں نظر انداز بھی کر دیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے وضو کرنے کے لیے تانبہ کا ایک مربع حوض بنا رکھا تھا اور امام محمد کی روایت کے مطابق اگر مصلی کے ہاتھ پاؤں پاک ہوں تو خواہ پانی کا ظرف کتنا ہی چھوٹا ہو اس سے ایک دو آدمی وضو کر سکتے ہیں۔۱۱۱ بادشاہ اسی حوض کے پانی سے وضو کرتے تھے۔ ایک دن ایک عالم جو بادشاہ کا تقرب رکھتا تھا اس مسئلہ میں کچھ عرض کیا مگر بادشاہ نے اس کی بات پر توجہ نہ دی، چند دن بعد اسی عالم نے شیخ عبد الرحمٰن مفتی دربار کے اشارہ پر اس سلسلہ میں پھر عرض کیا، بادشاہ نے خفگی سے اسے جواب دیا کہ '' میں مسئلہ سے اس قدر ناواقف نہیں ہوں کہ اپنی عبادت کا نقصان کرتا رہوں۔'' ۱۱۲ شیخ عبد الرحمٰن نے بادشاہ کے اس عمل کے بارے میں کہا کہ درست نہیں ہے۔ ۱۱۳ بہر حال اورنگ زیب نے عالم کی بات نہیں مانی اور عرصہ دراز تک اسی حوض میں وضو کرتے رہے۔ ایک مفتی نے فتویٰ دیا کہ تاڑی کی فروخت جائز ہے اس لیے شہزادہ گورنر نے اس کے استعمال کی اجازت دے دی جب اس کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی تو اس نے شہزادہ کو عالم دین کی باتوں کی اتباع کرنے کے لیے سخت ڈانٹ پلائی۔۱۱۴ کچھ علماء ایسے بھی تھے جو اپنی پرہیز گاری کیوجہ سے بادشاہ کی خواہش کو ٹھکرا دیتے تھے جیسے ملا عبد اللہ جو عالم با عمل تھے اور مائل بہ فقر تھے اورنگ زیب نے انہیں صدارت کے عہدے پر فائز کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ

کر انکار کر دیا کہ اب وقت اللہ سے لو لگانے کا ہے نہ کہ دنیا داری میں ملوث ہونے کا۔۱۱۵ اسی طرح مولوی محمد یعقوب نے دارا شکوہ کے محضر الحاد پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا جب ان سے کہا گیا کہ اور علماء نے تو دستخط کر دیے ہیں آپ کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "آنہا علم الحاد دارا شکوہ دار ند مرا علم به الحاد او نیست" ۱۱۶ اس طرح کون کس کے زیر اثر رہا یہ فیصلہ کر پانا بڑا مشکل ہے۔

اطہر علی کا خیال ہے کہ اورنگ زیب بنیادی طور پر علماء کے زیر اثر رہا۔ اپنی بات کے ثبوت میں وہ مہابت خاں کے ایک خط کا ذکر کرتے ہیں جو کہ اس نے اورنگ زیب کو لکھا۔علماء اورنگ زیب کو ہدایت کیسے دے سکتے ہیں جب کہ خود انہوں نے بادشاہ کی ماتحتی قبول کر کے اپنی قوت کو ختم کر دیا تھا۔ کچھ مؤرخین بلاوجہ علماء کے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔مغل بادشاہ بہت طاقت ور تھے اور علماء کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کریں یا پھر گوشہ نشینی کی زندگی گزاریں۔۱۱۷ خوشحال خاں خٹک ۱۱۸ علماء پر شریعت کو بیچ دینے کا الزام لگاتا ہے۔ جب تک بادشاہ کو شیخ الاسلام، صدر الصدور اور قاضی القضاۃ کی تقرری و برخاستگی کے اختیارات تھے تب تک علماء بادشاہ کے لیے کسی طرح کی مشکل نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اورنگ زیب نے ایک عالم کو صرف اس وجہ سے اس کے عہدے سے ہٹا دیا کہ اس نے شاہجہاں کی زندگی میں اورنگ زیب کے نام کا خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور جب شیخ الاسلام نے گولکنڈہ اور بیجا پور کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا تو اسے برطرف کر دیا گیا۔ ان علماء کی جگہ دوسرے علماء کی تقرری عمل میں آئی جنہوں نے بادشاہ کی وفاداری قبول کی۔ ۱۱۹ اورنگ زیب کے نزدیک علماء اور مشائخ کی بہت زیادہ عزت نہیں تھی۔اورنگ زیب عظیم کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ اگرچہ سرئی بدرو کی جاگیر میں تاڑی کی پیداوار سے روپیہ جمع کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس مفت خور مفتی نے فتویٰ دیا۔ اس قسم کے خیر خواہوں کو جو کہ گھر کو برباد کر دینے والے ہوتے ہیں اپنا جانی ومالی دشمن اور دنیا و آخرت کا بدخواہ سمجھو۔۱۲۰ ایسے علماء کے لیے اورنگ زیب کا نظریہ اچھا نہ تھا۔ جب سید محمد قنوجی نے منصب اور جاگیر کے لیے اورنگ زیب کو درخواست دی تو اورنگ زیب نے کہا کہ علماء اپنے آباء کے پاک راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ۱۲۱ اورنگ زیب امراء کے کردار کا بھی ناقد تھا۔ اورنگ زیب نے کوئی بھی قدم علماء کے دباؤ میں نہیں اٹھایا گو کہ علماء حکومت کا ایک خاص حصہ تھے مگر وہ بادشاہ کی

ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے علماء کا استعمال اپنے سیاسی مفاد کے لیے ضرور کیا مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کسی عالم نے اورنگ زیب کا استعمال کیا ہو۔ علماء نے اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر اورنگ زیب کی غیر شرعی طور پر طرفداری بھی کی اسی لیے ان درباری علماء کا بادشاہ پر زور نہیں چلا۔ چونکہ درباری زندگی ان کا نصب العین تھا اور بطور عالم وہ اپنے فرائض بھول گئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس کچھ علماء حق بھی تھے جن کو بادشاہت اور ریاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اورنگ زیب کے نزدیک ایسے علماء کی قدر تھی۔

اورنگ زیب ایک سیکولر حکمراں، ماہر سیاست داں اور مدبر، سادہ دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس نے مغل حکومت کے دستور اور طریقوں کو بحال رکھنے کی کوشش کی، اور رواداری کے اصولوں کو حکمرانی میں برتا۔ وہ ایک اصولی آدمی تھا حکمرانی کو ایک سخت اصول اور تنظیم سمجھتا تھا جو انصاف اور حق کی پابند تھی۔ اسلام کے قانونِ حکمرانی کے اصول سے اس نے رہنمائی لینے کی کوشش کی اس کا یقین تھا کہ خدا نے اس کو وہ تمام صلاحیتیں بخشی ہیں جو ایک اچھے مسلمان حاکم میں ہوتی ہیں۔ اورنگ زیب میں تمام مغل حکمرانوں کے مقابلے میں یہ احساس کہ حکمرانی ایک بڑی ذمہ داری ہے نمایاں طور سے پایا گیا۔ اس کے زمانے میں جس طرح حکومت کے حدود وسیع تر ہو چکے تھے اسی طرح اس نے حکمرانی کی ذمہ داری کو زیادہ محسوس کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ حکومت کے تمام کاروبار انصاف کے اصولوں پر ہوں۔ اورنگ زیب کی حکمت عملی میں جہاں اسلامی جھلک نظر آتی وہاں سیاسی اصول بھی کارفرما تھے۔

حوالہ جات

۱- سید محمد عزیز الدین حسین، ''اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء ومشائخ کے کردار کی اہمیت''، اسلام اور عصر جدید، سہ ماہی، ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، جلد ۲۶، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۵۴۔
۲- ایضاً، ص ۵۴۔
۳- رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۳۴۳۔
۴- آر، پی، ترپاٹھی، سم آسپیکٹ آف مسلم ایڈمنسٹریشن، الہٰ آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۹۱۔
۵- سید محمد عزیزالدین حسین، تاریخ عہد وسطیٰ، ادارہ ہمدانیہ، علی گڑھ، ۲۰۰۴ء، ص ص ۱۹-۱۸۔
۶- اسلام اور عصر جدید، حوالہ مذکورہ، ص ۵۴۔
۷- عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول، ص ۳۸۷۔
۸- ابولفضل، آئین اکبری، بلوخ مین، حصہ اول، کلکتہ ۱۸۸۷ء، ص ۳۔
۹- عبدالحمید لاہوری، حوالہ مذکورہ ص ۱۷۴ ابن حسن، سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت، (اردو) دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ٦٦۔
۱۰- ابولفضل، آئین اکبری، بلوخ مین، حصہ اول، ص ص ۴-۳۔
۱۱- ابوالفضل، اکبر نامہ، جلد دوم، ص ۲۸۵، ابن حسن، حوالہ مذکورہ، ص ٦٧۔
۱۲- ابوالفضل، اکبر نامہ، جلد سوم، بیورج، ص ٦۵۹۔
۱۳- ایضاً۔
۱۴- نورالدین جہانگیر، تزک جہانگیری، علی گڑھ، ۱۸٦۴ء، ص ۵۲، ابن حسن، حوالہ مذکورہ، ص ۷۰۔
۱۵- عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول، حصہ دوم، ص ۱۳۰، شاہجہاں کا فرمان قطب الملک کے نام جس میں اس نے قطب الملک سے بعض ایسی باتوں کو ترک کردینے کا مطالبہ کیا ہے جو سنیوں کے عقائد کے خلاف تھیں۔
۱٦- عنایت اللہ کشمیری، کلمات طیبات، تصحیح، تعلیق وحواشی، ایس۔ ایم عزیز الدین حسین، ۱۹۸۲ء، ص ۲۔
۱۷- ایس، ایم، عزیزالدین حسین، تاریخ عہد وسطیٰ، حوالہ مذکورہ، ص ۲۰۔

۱۸- نجیب اشرف ندوی، رقعات عالمگیر،ترجمہ بلی موریہ، دہلی، ۱۹۷۲ء، ص ۵۷۔

۱۹- ایم عبدالوحید خان، اورنگ زیب کے خطوط،فارسی سے ترجمہ،خدابخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۶ء، ص۱۱۴۔

۲۰- ایس، ایم،عزیزالدین حسین،تاریخ عہد وسطیٰ، ص۲۰۔

۲۱- رقعات عالمگیر،حوالہ مذکورہ، ص۵۵۔

۲۲- ایضاً، ص۴۷۔

۲۳- اورنگ زیب کے خطوط،ترجمہ وتعلیق، جے،ایچ بلی موریہ، بمبئی، ۱۹۰۸ء، ص۱۳۴۔

۲۴- ایضاً،ص۱۱۸۔

۲۵- ایضاً،ص۱۱۵۔

۲۶- ایم عبدالوحید خاں، حوالہ مذکورہ، ص۳۴-۳۳۔

۲۷- حمید الدین خان،احکام عالمگیری،اردو،لاہور، ۱۹۹۳ء، ص۴۷۔

۲۸- ایضاً،ص۴۷۔

۲۹- ایضاً،ص۴۵۔

۳۰- سید عزیزالدین حسین، تاریخ عہد وسطیٰ،حوالہ مذکورہ، ص۲۲۔

۳۱- احکام عالمگیری،حوالہ مذکورہ، ص۸۹۔

۳۲- ایضاً،ص۸۹۔

۳۳- ایضاً،ص۸۹۔

۳۴- جادو ناتھ سرکار،اورنگ زیب کے اپاکھیان،ہندی، آگرہ، ۱۹۶۷ء، ص۲۰۔

۳۵- احکام عالمگیری،حوالہ مذکورہ، ص۱۰۶۔

۳۶- ایضاً،ص۶۳۔

۳۷- ایضاً،ص۶۳۔

۳۸- ایضاً،ص۵۱۔

۳۸- ایضاً،ص۵۳۔

۴۰- ایم عبدالوحید خان، اورنگ زیب کے خطوط،حوالہ مذکورہ، ص۳۵۔

۴۱- ایضاً،ص۴۷۔

۴۲- ایضاً،ص۱۱۵۔

۴۳- ایضاً،ص۱۱۶۔

۴۴- ایضاً،ص ص ۷۹-۷۸۔

۴۵- احکام عالمگیری،حوالہ مذکورہ، ص۸۳۔

۴۶- ستیش چندر،مدھیہ کالین بھارت، جلد دوم، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص۱۰۷۔

۴۷- ایضاً،ص۱۰۸۔

۴۸- ایم عبدالوحید خان، اورنگ زیب کے خطوط، ص۱۳۲۔

۴۹- ایضاً،ص۱۳۳۔

۵۰- ایضاً،ص۱۳۳۔

۵۱- ایضاً،ص۱۳۳۔

۵۲- ایضاً،ص۱۳۴۔

۵۳- ایضاً،ص۱۴۷۔

۵۴- احکام عالمگیری،حوالہ مذکورہ، ص۹۸۔

۵۵- ایضاً۔

۵۶- گھنشیام بکسریہ سرکاری توپ خانہ کا ملازم تھا۔احکام عالمگیری، حوالہ مذکورہ، ص۹۸۔

۵۷- ایضاً۔

۵۸- عاقل خاں ۱۶۸۰ء سے اپنی وفات ۱۶۹۶ء تک دہلی کا صوبیدار تھا۔ احکام عالمگیری،ص۹۹۔

۵۹- ایضاً۔

۶۰- ایضاً۔

۶۱- ایضاً،ص۱۰۰۔

۶۲- ایم عبدالوحید خاں،اورنگ زیب کے خطوط، ص۱۵۱-۱۵۰۔

۶۳- ایضاً،ص۱۶۶۔

۶۴- ایس،ایم،عزیزالدین حسین،اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، نئی دہلی،۲۰۰۲ء، ص۵۹۔

۶۵- شیخ محمد اکرام،رودِکوثر، دہلی،۱۹۹۱ء،ص۱۰۴۔

۶۶- ایس،ایم،عزیزالدین حسین، اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، ص۵۹۔

۶۷- بلگرامی رفعت، ریلیجیس، اینڈ کوسی ریلیجس ڈپارٹمنٹس آف دی مغل پیریڈ،نئی دہلی، ۱۹۸۴ء، ص۱۲۱۔

۶۸- ایشور داس ناگر، فتوحات عالمگیری، انگریزی، ادارہ ادبیات دہلی ۱۹۷۸ء ص۵۵۔لاری آزاد، ریلیجن اینڈ پالیٹکس ان انڈیا ڈیورنگ دی سیونٹینتھ سنچری،نئی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص۱۹۸،رفعت بلگرامی، حوالہ مذکورہ، ص۱۲۱۔

۶۹- بلگرامی رفعت،حوالہ مذکورہ، ص۱۲۱۔

۷۰- ایشور داس ناگر،حوالہ مذکورہ ص۵۵۔ محمد علی خاں،مرآۃ احمدی،بمبئی جلد اول، ص۲۶۔ برنیئر،ٹریولز ان مغل امپائر،دہلی، ۱۹۶۸ء، ص۶۹۔

۷۱- لاری آزاد،حوالہ مذکورہ، ص۱۹۸۔

۷۲- پی سرن،دی پراونشیل گورنمنٹ آف دی مغلز، الہٰ آباد، ۱۹۴۱ء، ص۳۴۷۔

۷۳- خافی خان،منتخب اللباب،جلد دوم،نفیس اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص۳۰۹۔

۷۴- ایضاً،ص۳۰۹۔

۷۵- ایضاً،ص ص۳۱۰۔۳۰۹۔

۷۶- عبدالقادر بدایونی،منتخب التواریخ،جلد دوم، کلکتہ، ۱۸۸۷ء، ص ص۸۵-۲۸۴۔

۷۷- ساقی مستعد خاں،مآثر عالمگیری،کلکتہ، ۱۹۴۷ء، ص۱۲۶۔

۷۸- یہ محاصرہ ۲۸/دسمبر ۱۶۹۹ء سے ۲۱/اپریل ۱۷۰۰ء تک رہا،حمیدالدین خان،احکام عالمگیری، ص۱۲۱۔

۷۹- ایضاً۔

۸۰- ایضاً۔

۸۱- ایضاً۔

۸۲- ایضاً۔

۸۳- ایضاً۔

۸۴- ایس،ایم،عزیزالدین حسین، اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، حوالہ مذکورہ، ص۶۲۔

۸۵- ایضاً،ص۶۳۔

۸۶- ایضاً۔

۸۷- ایضاً،ص۶۴-۶۳۔

۸۸- عنایت اللہ کشمیری،کلمات طیبات،حوالہ مذکورہ،ص ص۱۲-۵۔

۸۹- ایضاً،ص ص۵۹-۵۱-۱۲۔

۹۰- مکتوبات شاہ کلیم اللہ،دہلی،۱۹۷۸ء،ص۵۲۔

۹۱- ایس، ایم، عزیزالدین حسین،حوالہ مذکورہ،ص۸۱۔

۹۲- ایضاً۔

۹۳- عرفان حبیب، ''مدھیہ کالین بھارت'' میں ستیش چندرکا مضمون سترہویں صدی کے دوران بھارت میں جزیہ اور راج، دہلی، ۱۹۸۱ء،ص ص۸۴-۶۹۔

۹۴- علامہ شبلی نعمانی، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر،دارالمصنفین ،اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص۶۷۔

۹۵- اوم پرکاش پرساد، اورنگ زیب ایک نیا زاویۂ نظر،خدا بخش لائبریری،پٹنہ، ۱۹۹۲ء، ص۳۹۔

۹۶- ایضاً۔

۹۷- ایشورداس ناگر،فتوحات عالمگیری،حوالہ مذکورہ،ص۱۱۷۔

۹۸- ساقی مستعد خاں،مآثر عالمگیری، حوالہ مذکورہ،ص۱۸۱۔

۹۹- خلاصۃ السیاق،علی گڑھ، ایم ایس،ف ف ۳الف۸ب۔

۱۰۰- بختاور خاں،مرآۃ العالم،ساجدہ س علوی، دانشگاہ پنجاب،لاہور، ۱۹۷۹ء، ص۱۴۹۔

۱۰۱- بختاور خاں،ساقی نامہ بختاور خاں،سالار جنگ میوزم ایم ایس ف ف۵۷ب۵۸الف۔

۱۰۲- علی محمد خاں،مرآۃ احمدی،جلد اول،بڑودہ، ۱۹۲۷ء، ص۲۸۶۔

۱۰۳- خافی خاں،منتخب اللباب، ص۲۱۲،مولوی عبدالرحمان،عالمگیر،جلددوم،مجتبائی پریس،لاہور، ص۳۳۱۔

۱۰۴- منتخب اللباب، ص۲۱۲ - مولوی عبدالرحمان،حوالہ مذکورہ، ص۳۳۱۔

۱۰۵- منتخب اللباب، ص۲۱۲۔

۱۰۶- ایضاً،ص۳۵۳۔

۱۰۷- اورنگ زیب ایک نیازاویۂ نظر، ص۱۳۔

۱۰۸- ایضاً،ص۱۴۔

۱۰۹- ایضاً۔

۱۱۰- ایضاً۔

۱۱۱- منتخب اللباب،حوالہ مذکورہ، ص۳۹۴۔

۱۱۲- ایضاً۔

۱۱۳- ایضاً،ص۳۹۵۔

۱۱۴- لاری آزاد، حوالہ مذکورہ، ص۲۰۹۔

۱۱۵- پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین،عہد وسطیٰ، حوالہ مذکورہ ،ص۴۷۔

۱۱۶- محمد حبیب اللہ، ذکر جمیع اولیاء دہلی، ٹونک راجستھان،۱۹۸۷ء، ص۹۹۔

۱۱۷- ایس،ایم عزیزالدین حسین، اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، حوالہ مذکورہ، ص۱۱۱۔

۱۱۸- یہ اورنگ زیب کے عہد کا امیر اور پشتو شاعر تھا۔

۱۱۹- ایس، ایم، عزیزالدین حسین، اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، ص۱۱۱۔

۱۲۰- ایم عبدالوحید خان، اورنگ زیب کے خطوط، ص۱۰۷۔

۱۲۱- ایس،ایم، عزیز الدین حسین، اسٹرکچر آف پولیٹکس انڈر اورنگ زیب، ص۱۱۲۔

خبرِ مرگ! خورشید کمال عزیز

فرح گل بقائی*

تاریخ پیدائش: ۱۱ دسمبر، ۱۹۲۷ء۔

تاریخ وفات: ۱۵جولائی، ۲۰۰۹ء۔

ابتدائی زندگی

خورشید کمال عزیز گیارہ دسمبر، ۱۹۲۷ء کو فیصل آباد کے قریب ایک گاؤں بالم آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ عبدالعزیز اور والدہ کا نام زینب خاتون تھا۔ شیخ عبدالعزیز درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک رہے۔ اِس کے علاوہ انہوں نے مغلیہ دور کی تاریخ لکھی اور وارث شاہ کی ہیر پر بھی سیر حاصل تحقیق کی۔

خورشید کمال عزیز (کے کے عزیز) نے ابتدائی تعلیم ایم بی ہائی اسکول، بٹالہ سے حاصل کی۔ پھر لاہور آ گئے اور فورمین کرسچن کالج میں تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ وہاں وکٹوریہ یونیورسٹی مانچسٹر میں داخلہ لیا۔

کے کے عزیز دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں اور درس گاہوں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اِن میں کیمرج، لندن، ہیڈل برگ اور خرطوم یونیورسٹی شامل ہیں۔

انہوں نے بہت سے اداروں میں لیکچرز دیئے جن میں کراچی یونیورسٹی، قائداعظم یونیورسٹی، ہل یونیورسٹی، نیو کاسل، ٹورنٹو(Toronto)، جینوا، آکسفورڈ اور برجن کی یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ ڈاکٹر عزیز کو لکھنے اور لفظوں کے صحیح استعمال سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے اپنی ایک خودنوشت لکھی۔ یہ انگریزی زبان میں ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ خودنوشت اُن سب لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہے جنہیں تاریخ، ادب اور تاریخی شخصیات میں دلچسپی ہے۔